© rasailojaraid.com

قصۂ آدمؑ — تمثیل یا واقعہ

(قرآنی حقائق کی روشنی میں)

محمد شہاب الدین ندوی

(یہ مضمون راقم سطور کی زیر طبع کتاب "تخلیقِ آدم اور نظریہ ارتقاء" کا ایک باب ہے۔ اس میں ان 'روشن فکر' علماء کے اس نقطہ نظر کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو نظریہ ارتقاء کے سلسلہ میں مادہ پرست سائنس والوں کے ادعائی نظریات سے مرعوب ہو کر اور قرآن حکیم میں تاویل کرتے ہوئے آدمؑ کو نوعِ انسانی کا اولین فرد ماننے سے انکار کرتے ہیں اور قصۂ آدم کو ایک تمثیلی بیان قرار دے کر اس کی من مانی تاویل کرتے ہیں حالانکہ قرآن حکیم کا یہ بیان اتنے محکم دلائل پر مبنی ہے کہ وہ اس لغو تاویل کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ شہاب الدین ندوی)

حقیقتِ تمثیل

واقعہ یہ ہے کہ قصۂ آدمؑ کو ایک تمثیل قرار دینے والوں نے کبھی اس کے عواقب و نتائج پر سیدھی طرح غور ہی نہیں کیا ہے کہ اس تعبیر کی زد کہاں کہاں جا کر پڑتی ہے۔ اور نہ انہوں نے تمثیل یا مثال کی حقیقت و ماہیت پر غور کرنے کی زحمت ہی گوارا کی ہے۔ مثل یا مثال درحقیقت ایک چیز کو دوسری پر قیاس یا اعتبار کرنے کو کہتے ہیں، جیسا کہ علامہ ابن تیمیہؒ اور علامہ ابن قیمؒ نے تصریح کی ہے: "مثل یا مثال کے ذریعہ ایک چیز کو کسی دوسری چیز سے کسی مناسبت کی بنا پر تشبیہ دینا مقصود ہوتا ہے۔ (تتضمن تشبیہ شیٔ بنظیرہ، والتسویۃ بینھما بحکم)[1] تمثیل کی کچھ اسی طرح کی تعریف ایک جدید مصنف نے ان الفاظ میں کی ہے الأصل فی المثل قائم علی تمثیل شیٔ بشیٔ لوجود عنصر أو أکثر من عناصر التشابہ بینھما[2] علامہ ابن قیمؒ نے امثالِ قرآن پر بحث کرتے ہوئے ان کی اقسام اور نوعیت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر اس طرح روشنی ڈالی ہے کہ "مثل (یا تمثیل) کی حقیقت کسی حکم میں ایک چیز کو دوسری سے تشبیہ دینا اور محسوس چیز کے ذریعہ معقول (غیر محسوس) کو قریب کرنا یا دو محسوس چیزوں میں سے کسی ایک کو دوسرے کے قریب لانا اور ایک کا دوسرے پر اعتبار کرنا ہے۔ (فانہا التشبیہ شیئ بشیئ فی حکمہ، وتقریب المعقول من المحسوس، أو أحد المحسوسین من الآخر، واعتبار أحدھما بالآخر[3]) المثل فی الأصل ھو التشبیہ[4] مثل دراصل تشبیہ ہی ہے اور یہ مثل یا مثال قیاس ہی کا دوسرا نام ہے:
ان ضرب المثل ھو القیاس[5]۔ والمثل یقال علی المفرد ویقال علی الجملۃ التی ھی القیاس[6]۔

تمثیل کس چیز کی؟

ان تصریحات واقتباسات سے بخوبی واضح ہوگیا کہ مثال یا تمثیل سے مراد ایک چیز کو دوسری چیز پر قیاس کرنا یا کسی مناسبت کی بنا پر ایک کو دوسری کے مشابہ قرار دینا ہے۔ لہٰذا اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ قصۂ آدمؑ میں تمثیل سے کیا مراد ہے؟ اور قیاس یا تشبیہ کس چیز میں ہے؟ نیز اس میں مشبّہ اور مشبّہ بہ (تشبیہ کے دو بنیادی ارکان) کون ہیں اور ان کا مقصود کیا ہے؟ پھر اگر یہ قصہ بطور تمثیل ہے تو اس کو تمثیلی انداز (ضَرَبَ لَکُمْ مَثَلاً وغیرہ قسم کے الفاظ کے ساتھ) کیوں نہیں بیان کیا گیا؟ بلکہ اس کے برعکس ایک متعین شخص (آدمؑ) کا نام لینے کی کیا ضرورت تھی؟ اور یہ تمثیل یا تشبیہ کی کون سی قسم ہے؟ یہ اور اسی قسم کے بیسیوں سوالات پیدا ہوتے ہیں جن کا جواب دئے بغیر صرف اتنا کہہ دینا کہ "یہ ایک تمثیل ہے" محض ایک بے بنیاد دعویٰ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ قصہ تمثیل کے اسلوب سے قطعاً مختلف، نہ صرف ایک واقعہ کے طور پر بیان ہوا ہے، بلکہ جگہ جگہ اس کی اہمیت کی بنا پر بار بار دہرایا بھی گیا ہے۔ جب کہ پورے قرآن میں کوئی تمثیل ایک سے زیادہ بار بیان نہیں کی گئی ہے یہ ایک قطعی دلیل ہے کہ یہ واقعہ تمثیل یا خیال آفرینی نہیں ہے۔

قصۂ آدمؑ تمثیل نہیں واقعہ:

اس کے علاوہ تمثیل اور واقعہ میں ایک فرق اور بھی ہے اور وہ یہ کہ قرآن حکیم میں جہاں پر کسی سچے واقعہ کا اظہار مقصود ہوتا ہے تو وہاں پر بطور تاکید کبھی "نبأ" (خبر) کا لفظ بھی استعمال کیا جاتا ہے مثلاً:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ (شعراء: ۶۹) تم انھیں ابراہیم کی خبر سنا دو۔

نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى (قصص: ۳) ہم تم کو موسیٰ کی خبر سناتے ہیں۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ (یونس: ۷۱) اور تم انھیں نوح کی خبر دے دو۔

وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ (انعام: ۳۴) اور تمہارے پاس رسولوں کی خبر آچکی ہے۔

ٹھیک یہی اسلوب حضرت آدم علیہ السلام کے سلسلے میں دو جگہ استعمال کیا گیا ہے۔ پہلی جگہ آپ کے دو فرزندوں ہابیل اور قابیل کے واقعہ میں: وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ (مائدہ: ۲۷) اور تم ان کو آدمؑ کے دو بیٹوں کی خبر ٹھیک ٹھیک سنا دو۔ اور دوسری جگہ حضرت آدمؑ کے تذکرہ کے بعد ایک علمی پیش گوئی کے طور پر کہ قصۂ آدمؑ کی حقیقت تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گی: وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ (ص: ۸۸) اور تم اس کی خبر (کی صداقت) کچھ عرصے بعد ضرور جان لوگے۔

اس اعتبار سے بھی حضرت آدم علیہ السلام کی متعین شخصیت اور آپ کی عظمت پر بھرپور روشنی پڑ جاتی ہے کہ یہ کسی غیر متعین شخص کی تمثیل نہیں بلکہ ایک حقیقی واقعہ ہے۔

ایک پرزور اسلوب بلاغت:

اس واقعے کی صداقت وسچائی کا مزید ثبوت یہ ہے کہ اس واقعے کو قرآن مجید میں نہ صرف مختلف اسالیب میں بار بار بیان کیا گیا ہے، بلکہ متعدد حیثیتوں سے اس کی اہمیت بھی بیان کی گئی ہے۔ اور یہ انداز بیان مثال اور تمثیل سے قطعاً میل نہیں کھاتا۔ چنانچہ اس موقع پر قرآنی بلاغت کا ایک پہلو ملاحظہ ہو، جس سے ظاہر ہوگا کہ وہ مختلف حیثیتوں سے اس قصے کی اہمیت کس طرح ذہن نشین کرنا چاہتا ہے!

سورۂ بقرہ میں جہاں قصۂ آدمؑ کا آغاز ہوتا ہے، وہاں اس کی حکایت صیغۂ غائب سے اس طرح شروع ہوتی ہے:

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ (بقرہ: ۳۰) اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (بقرہ: ۳۱) اور اس نے آدم کو تمام چیزوں کے نام بتادئے۔

قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ (بقرہ: ۳۳) کہا کہ اے آدم تم ان کو ان کے نام بتا دو۔

پھر اچانک صیغہ بدل کر جمع متکلم کے صیغے کے ساتھ یوں کہا جاتا ہے:

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ (بقرہ: ۳۴) اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ تم آدم کو سجدہ کرو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عربی ادب وبلاغت کی اصطلاح میں اس طرح صیغہ بدل کر خطاب کرنے کو "التفات" کہا جاتا ہے، جو عربی کا ایک معروف اسلوب کلام ہے[4] اور اس اسلوب کے ذریعہ اس واقعہ کی اہمیت جتانا اور اس کے اس خاص پہلو کی طرف توجہ مبذول کرانا مقصود ہے نیز اللہ تعالیٰ کا اس موقع پر اپنے لئے جمع متکلم کا صیغہ اختیار کرنا یہ ظاہر کرنے کے لئے ہے کہ اوّل تو اللہ تعالیٰ نے ضرور اس کا حکم دیا تھا، اور دوسرے یہ کہ یہ بات حقیقت واقعہ ہے، کوئی خیالی قصہ یا کہانی نہیں۔ بقول استاذ منّاع القطان "حقیقی مسلمان وہ ہے جو قرآن کے کلام اللہ ہونے پر ایمان رکھتا ہو اور اس کو ایسی تصویر کشی سے پاک سمجھتا ہو جو تاریخی صداقت کی حامل نہ ہو اور اس لحاظ سے قرآنی قصے تاریخی حقائق سے بھرپور ہیں جو بہترین الفاظ اور دلکش اسالیب سے مزین ہیں"۔[5]

تکریم آدمؑ اور ردّ عیسائیت:

اسی طرح اس قصہ میں قرآن حکیم کے دیگر مقامات میں بھی یہی اسلوب اختیار کیا گیا ہے جس سے اس کی انتہائی اہمیت وعظمت ظاہر ہوتی ہے۔ مثلاً:

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ (البقرہ: ۳۴) اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ تم آدم کو سجدہ کرو تو سوائے ابلیس کے اُن (سب) نے سجدہ کیا۔

یہ آیت انہی الفاظ کے ساتھ سورہ اسراء آیت ۶۱، سورہ کہف آیت ۵۰ اور سورہ طٰہٰ آیت ۱۱۶ میں بھی مذکور ہے اور کچھ ردّ و بدل کے ساتھ اعراف آیت ۱۱ میں بھی یہی بات کہی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس تاکید کے ذریعہ حضرت آدمؑ کی عظمت وبزرگی کا اظہار مقصود ہے کہ وہ کوئی معمولی ہستی نہیں، بلکہ وہ اس بزمِ کائنات کی زینت ہے۔ تبھی تو اس کو فرشتوں سے افضل قرار دیتے ہوئے ان کے ذریعہ سجدۂ تعظیمی کرایا گیا اور اس تاکید کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ توریت (موجودہ بائبل کا عہد نامۂ عتیق، جس کو OLD TESTAMENT کہا جاتا ہے) میں جہاں قصۂ آدمؑ مذکور ہے وہاں حضرت آدمؑ کے لئے فرشتوں کے ذریعہ سجدہ کرانے کے اس واقعہ کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا ضروری تھا کہ بائبل کے اس نقص کو ظاہر کرنے کے لئے اس واقعہ کو زیادہ اہمیت دی جاتی۔ نیز اس لئے بھی کہ عیسائیوں نے حضرت آدمؑ کی لغزش کو پوری نوع انسانی کے لئے ایک موروثی گناہ قرار دے کر اس کی بنیاد پر ایک دوسرا عقیدہ گڑھ لیا، جو پوری نوع انسانی کی توہین وتذلیل کے مترادف ہونے کے ساتھ ساتھ اس کو گمراہ کرنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا بھی باعث ہے۔ میری مراد عیسائیوں کے خودساختہ عقیدۂ کفارہ (ATONEMENT) سے ہے۔ لہٰذا ضروری تھا کہ حضرت آدمؑ کے شرف و عظمت کا اظہار پوری صراحت و اہمیت کے ساتھ کیا جاتا۔ ظاہر ہے کہ اسلام کا ایک اہم ترین مقصد بگڑے ہوئے عقائد کی درستی اور اصلاحِ مذاہب بھی ہے۔ اِس لحاظ سے قرآن حکیم کے ان بیانات کے ذریعہ جہاں ایک طرف بائبل کا نقص دکھانا مقصود ہے، تو دوسری طرف عیسائیوں کے خودساختہ عقائد کو غلط ثابت کرنا بھی پیش نظر ہے۔ لہٰذا اس نقطۂ نظر سے بھی صاف ظاہر ہے کہ حضرت آدمؑ کی شخصیت حقیقی و واقعی ہے، نہ کہ فرضی یا خیالی۔

تخیل آرائی اور افتراپردازی :

تجدد پسندوں کا کہنا ہے کہ قرآن میں پوری نوع انسانی کو آدم کہا گیا ہے، نہ کہ کسی متعین فرد کو۔ مگر یہ ایک ایسی خیال آرائی اور تخیل آفرینی ہے جس سے قرآن مجید کا ایک ایک بیان کھلے عام انکار کر رہا ہے۔ چنانچہ اس موقع پر دو آیتیں بطور مثال پیش کی جاتی ہیں، جن میں پوری نوع انسانی کو "اولادِ آدمؑ" کہا گیا ہے :

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ ..... (بنی اسرائیل: ۷۰) اور ہم نے آدم کی اولاد کو عزت بخشی ہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ (مریم: ۵۸) پیغمبروں میں سے یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے انعام کیا ہے (یہ سب) آدم کی اولاد ہیں۔

ظاہر ہے کہ ان آیات کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ حضرت آدمؑ تمام انسانوں اور کُل انبیاء علیہم السلام کے باپ ہیں۔ لہٰذا قرآنی حقائق سے مُنہ موڑتے ہوئے من مانی تاویلات کا سہارا لینا اتنا آسان نہیں ہے۔ بلکہ اس قسم کی غلط تاویلات کی وجہ سے قرآن مجید ایک متناقض کلام بن کر رہ جائے گا اور اُس کی ہدایت و رہنمائی کے دیگر تمام مقاصد فوت ہو کر رہ جائیں گے بلکہ وہ انسانی خواہشات کو بروئے کار لانے کے لئے ایک کھلونا بن کر رہ جائے گا۔ لہٰذا اس قسم کی خیال آرائیاں درحقیقت قرآن پر افتراپردازیاں ہیں۔

نظریۂ تمثیل اخوان الصفا کی ایجاد :

کسی تاریخی واقعہ یا کسی پیغمبر کے قصے کو بطور تمثیل بیان کرنے میں کیا حکمت ہو سکتی ہے اور پھر اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو جگہ جگہ دہرانے کا آخر فائدہ ہی کیا ہے؟ کیا بے مقصد قصہ گوئی یا داستان سرائی کے طور پر؟ اصل میں قرآن کے تمثیل ہونے کا خیال "اخوان الصفا" (یہ چوتھی صدی ہجری کے چند حکما اور فلسفیوں کی ایک جماعت) کی ایجاد ہے، جیسا کہ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ نے وضاحت کی ہے۔ یہ چوتھی صدی ہجری کی ایک مذہبی اور سیاسی تحریک تھی، جس پر فلسفے کا غلبہ تھا اور یہ غالی شیعہ، قرامطہ باطنیہ اور فلسفہ زدہ لوگوں کے زیر اثر تھی۔ یہ لوگ مجوسیوں اور صابیوں سے اخذ و استفادہ کر کے قرآن اور حدیث کے الفاظ کی تاویل کیا کرتے تھے۔[9]

یہ ہے اسلام میں تمثیل کے تخیل کا آغاز اور اُس کی ابتدا۔ پھر شدہ شدہ اس تخیل کا دائرہ وسیع ہونے لگا اور روشن فکر مسلمانوں نے ہمیشہ ہی باطل فلسفیوں اور ان کے تخیلات سے متاثر ہو کر "مخالف اسلام" نظریات کو موافق اسلام ثابت کرنے کے لئے "تمثیل" کا حربہ 'بڑی کامیابی' کے ساتھ استعمال کرنا شروع کر دیا، تاکہ باطل سے سمجھوتہ کرنے کے لئے سادہ لوح مسلمانوں کو کسی نہ کسی طرح راضی کیا جا سکے، کیونکہ مسلمان قرآن اور حدیث کے علاوہ اور کسی بات کو بطور سند تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتے لہٰذا انہیں مطمئن کرنے کے لئے ضروری تھا کہ باطل فلسفوں کو قرآن اور حدیث کے موافق دکھایا جائے۔

خطاب العین :

"قرآنی علوم" کے ذیل میں ایک بحث "قرآنی خطابات" کی بھی آتی ہے۔ اس بحث کے مطابق قرآن مجید میں مختلف لوگوں سے خطاب کی نوعیت مختلف ہے اور علامہ بدرالدین زرکشیؒ نے اپنی قابل قدر کتاب میں اس کی چالیس قسمیں گنائی ہیں۔ ان میں سے ایک قسم "خطاب العین" کہلاتی ہے[10] اس کا مطلب ہے کسی متعین شخص کو مخاطب کرنا، جیسے :

يَآدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ (بقرہ:۳۵) اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو

يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ (ھود:۴۸) اے نوح سلامتی کے ساتھ اُتر جاؤ۔

يَآاِبْرٰهِيْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا (صافات:۱۰۴-۱۰۵) اے ابراہیم تو نے خواب کو سچ کر دکھایا۔

يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ (اعراف:۱۴۴) اے موسیٰ میں نے تجھے منتخب کر لیا ہے۔

اس لحاظ سے جس طرح حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیمؑ وغیرہ ایک متعین شخصیت ہیں، اسی طرح حضرت آدمؑ بھی ایک متعین شخصیت [illegible] کوئی فرق نہیں ہے۔ اب اگر حضرت آدمؑ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی شخصیت کو مشتبہ قرار دے کر آپ کے وجود کا انکار کیا جا سکتا ہے، تو پھر کل حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیمؑ کی شخصیتوں کا بھی اسی طرح انکار کیا جا سکتا ہے۔

قرآن مجید چونکہ مختلف قسم کے دلائل و براہین سے بھرپور ایک علمی صحیفہ ہے اس لئے اُس کے حقائق و واقعات کا انکار اس قدر آسان نہیں ہے۔ بلکہ اگر کسی ایک حقیقت کا انکار، بدقت تمام کسی نہ کسی طرح کر بھی دیا جائے تو دس نئی حقیقتیں اس طرح سامنے آجاتی ہیں جن سے انحرافی رُجحان کی خود بخود تردید ہو جاتی ہے اور جن کا جواب انحراف کرنے والوں سے بن نہیں پڑ سکتا۔ چنانچہ دیکھئے ایک دوسرے موقع پر قرآن مجید نے حضرت آدم علیہ السلام کے "محبوب الٰہی" یا برگزیدہ بندے (نبی) ہونے پر کس طرح روشنی ڈالی ہے:

إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىٓ اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّ اٰلَ إِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ

اللہ نے یقیناً آدم، نوح، اولادِ ابراہیم اور اولادِ عمران کو تمام جہان کے لوگوں میں منتخب فرمایا ہے۔

(آل عمران: ۳۴)

کیا اس موقع پر حضرت آدمؑ کی متعین شخصیت ہونے کا انکار کیا جا سکتا ہے یا اس کی کوئی تاویل ہو سکتی ہے؟ سوچنے کی بات ہے کہ حضرت آدمؑ کا تذکرہ اس موقع پر ان جلیل القدر ہستیوں کے سیاق میں آیا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے سارے جہان سے منتخب کر کے انہیں فضیلت اور بزرگی عطا کی تھی۔ اس لحاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت آدمؑ کی شخصیت کوئی معمولی شخصیت نہیں تھی۔ بلکہ اللہ کے نزدیک آپ کی انتہائی عظمت و اہمیت تھی۔

تمثیل اور واقعہ کا فرق:

حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی مثال یا تمثیل بیان کرنا ہوتا ہے تو کسی متعین فرد کا نام نہیں لیا جاتا، بلکہ اس کو ایک عمومی کلیہ کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ جیسے:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ۝ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ [illegible]

اور ان کو اُس شخص کا حال سنا دے، جسے ہم نے اپنی آیتیں دی تھیں، پھر وہ ان سے بالکل ہی نکل گیا تو شیطان اُس کے پیچھے لگ [illegible] اور اگر ہم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

هَوٰىهُ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ
تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ
ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا
فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝
سَآءَ مَثَلَاْ اِۨلْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا
وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ۝
(اعراف: ۱۷۵-۱۷۷)۔

چاہتے تو ان آیتوں کی بدولت اُس کا مرتبہ بلند کر دیتے لیکن وہ تو دنیا کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے لگا۔ اس طرح اُس کی مثال کُتّے کی سی ہو گئی کہ اگر تو اُس پر کچھ بوجھ رکھے گا تب بھی وہ ہانپے گا، اس کو چھوڑ دے گا تب بھی وہ (برابر) ہانپتا رہے گا۔ یہ مثال ہے اُن لوگوں کی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، لہٰذا تو یہ حالات بیان کر دے تاکہ وہ کچھ بچار کر سکیں۔ اُن لوگوں کی مثال (بہت) بُری ہے جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں اور اپنا ہی نقصان کرتے ہیں۔

ان آیات کی تفسیر میں اگرچہ بعض مفسرین نے بنی اسرائیل کے ایک شخص بلعم بن باعور کا قصہ بیان کیا ہے جس نے عالم و زاہد ہونے کے باوجود محض دنیا کی محبت اور بیوی کے فریب میں آکر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف بددعا کی تھی، جس کی پاداش میں اُس کی ساری دینداری چھن گئی اور وہ لعنتی بن گیا، مگر یہ مثال ہر اس شخص پر صادق آسکتی ہے جو دنیوی مقاصد کے لئے دنیاداروں سے ساز باز کر کے یا ان کے فریب میں آکر دینی تقاضوں کے خلاف کام کرتے ہوں، گویا کہ وہ اس طرح آیاتِ الٰہی کو جھٹلانے کے مرتکب ہوں گے، جیسا کہ اس موقع پر "ذٰلِكَ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا" کہہ کر بیان کیا گیا ہے۔ اور پھر مزید تاکید کے طور پر بعد والی آیت میں بھی اسی بات کو دُہرایا گیا ہے۔

یہ مثال درحقیقت ان مسلمانوں کے لئے ایک تازیانۂ عبرت ہے جو قرآن پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کرنے کے باوجود کسی بھی دنیوی غرض و غایت کے لئے باطل پرستوں کے دامِ تزویر میں آکر یا باطل فلسفوں کے پروپگنڈوں سے متاثر ہو کر آیاتِ الٰہی سے صاف "نکل بھاگنے" کی کوشش کرتے ہیں۔ تو ایسے ہی لوگوں پر یہ مثال پوری طرح صادق آتی ہے۔ گویا کہ وہ ایک عبث کام کر رہے ہیں، اور اس قسم کا عبث کام کرنے والوں کی مثال ایک دوسرے موقع پر اُس عورت کے مانند قرار دی گئی ہے جو محنت و مشقت سے سوت کاتنے کے بعد، جب وہ کپڑا بننے کے لائق بن جاتا ہے، اُس کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتی ہے:

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا اور تم اُس عورت کی طرح مت بن جانا، جس نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا (نحل: ۹۲) — اپنے محنت سے کاتے ہوئے سوت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔

غرض اسی طرح کسی شخص کا نام لئے بغیر سورۃ کہف میں دو افراد کا ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے، جن میں سے ایک خدا پرست اور دوسرا منکر خدا تھا۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ .... (کہف: ۳۲) — اور انہیں دو شخصوں کی مثال سنا دو، جن میں سے ایک کے لئے ہم نے دو باغ تیار کر دئے تھے۔

اس طرح کی بہت سی مثالیں ناموں کے تعین کے بغیر قرآن میں مذکور ہیں اور انہی میں حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کی خائن عورتوں کی مثال بھی بغیر ناموں کی تصریح کے مذکور ہے۔ جس طرح کہ فرعون کی مؤمن بیوی کی مثال بھی نام کی صراحت کے بغیر مذکور ہے۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ... (تحریم: ۱۰) — اللہ نے کافروں کیلئے نوح کی عورت اور لوط کی عورت کی ایک مثال بیان کی ہے۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ (تحریم: ۱۱) — اور اللہ نے ایمان والوں کے لئے فرعون کی بیوی کی مثال بیان کی ہے۔

ان دونوں آیتوں میں اگرچہ شخصیتیں بالکل متعین ہیں، مگر ناموں کی تصریح کے بغیر محض سیرت کی نیکی و بدی کو بطور عبرت و مثال بیان کیا گیا ہے، جیسا کہ صحابۂ کرام اور امت محمدیہ کی سیرت و کردار کی خصوصیات پر بطور تمثیل تورات و انجیل میں اس طرح روشنی ڈالی گئی ہے:

ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ... (فتح: ۲۹) — یہ اُن کی مثال ہے تورات میں اور ان کی مثال ہے انجیل میں۔

اس قسم کی مثالیں بیان کرنے کا مقصد کیا ہے؟ سورۂ روم میں اس قسم کی ایک مثال بیان کرنے کے بعد ارشاد ہوتا ہے: كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ (روم: ۲۸) — اسی طرح ہم سمجھ داروں کے لئے آیتوں کی تفصیل کرتے ہیں۔

اور دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ (زمر: ۲۷) — اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کیلئے ہر قسم کی مثال بیان کر دی ہے تاکہ وہ سبق حاصل کر سکیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اب دیکھئے اس کے برعکس انبیائے کرام کے واقعات کو مثال یا تمثیل کے روپ میں پیش نہیں کیا گیا چنانچہ قرآن میں کسی نبی کا کوئی واقعہ ایسا نہیں ہے جس کو محض تمثیلی یا غیرواقعی انداز میں بیان کیا گیا ہو۔ ہاں البتہ ایک موقع پر حضرت عیسیٰؑ کی انوکھی پیدائش کے سلسلے میں لفظ "مَثَل" کے ذریعہ حضرت آدم علیہ السلام کی انوکھی تخلیق سے تشبیہ ضرور دی گئی ہے۔ مگر یہ تشبیہ ان دونوں کی انوکھی تخلیق سے متعلق ہے اور اس سے ان دونوں کی شخصیتوں پر کوئی اثر نہیں پڑتا، بلکہ اس تشبیہ کی وجہ سے درحقیقت ان دونوں کی شخصیتیں مزید مسلّم اور ناقابلِ تردید بن جاتی ہیں۔

حضرت آدمؑ اور صحف سماوی:

واقعہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نہ صرف اوّلین بشر تھے، بلکہ ایک نبی اور جلیل القدر پیغمبر بھی تھے۔ لہٰذا آپ کی شان میں اس قسم کی گستاخی نہ صرف سوءِ ادب ہے، بلکہ باعثِ خطرۂ ایمان بھی ہے، چنانچہ حضرت آدمؑ کی نبوت و رسالت نہ صرف اسلامی نقطۂ نظر سے مسلّم ہے، بلکہ اہلِ کتاب کے نزدیک کم از کم آپ کے اوّلین بشر ہونے کی حیثیت مسلّم ہے، جیسا کہ تورات و انجیل (موجودہ بائبل) کے متعدد بیانات سے ظاہر ہوتا ہے۔ اسی بنا پر دورِ رسالت میں، جب نجرانی عیسائیوں سے حضرت عیسیٰؑ کی شخصیت کے بارے میں مباحثہ و مناظرہ ہوا تو عیسائیوں نے حضرت عیسیٰؑ کی خارقِ عادت پیدائش سے آپ کی اُلوہیت پر استدلال کیا۔ لہٰذا انہیں یہ مسکت جواب دیا گیا کہ اس خارقِ عادت یا فوق الطبیعی پیدائش کے معاملے میں تو حضرت عیسیٰؑ حضرت آدمؑ جیسے ہیں:

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ	عیسیٰ کی (پیدائش کی) مثال اللہ کے نزدیک یقیناً
خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنْ	آدم جیسی ہے، (جس طرح کہ) اُس نے آدم کو
فَیَکُوْنُ (آلِ عمران: ۵۹)	مٹی سے بنایا پھر اُس کو کہا کہ ہو جا تو وہ ہو گیا

یہاں پر قابلِ غور بات یہ ہے کہ عیسائیوں کے نزدیک اگر حضرت آدمؑ کی شخصیت مشتبہ ہوتی، یا اُن کے اوّلین بشر ہونے کی حیثیت سے مسلّم نہ ہوتی تو پھر اس جواب سے وہ کبھی مبہوت و ششدر نہ رہ جاتے بلکہ اس کو ناقابلِ اعتبار قرار دے کر مسترد کر دیتے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ مذاہبِ عالم میں دورِ قدیم سے حضرتِ آدمؑ کی شخصیت مسلّم تھی اور وہ کبھی متنازع فیہ نہیں رہی اور یہ سب صحفِ سماوی کی تعلیمات کا نتیجہ تھا۔ اگر اس واقعہ میں صداقت نہ ہوتی تو وہ صحفِ سماوی کا مشترکہ جزو نہ بن سکتا۔ اگرچہ بائبل میں حضرت آدمؑ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے کردار کو مسخ کرنے والے بعض واقعات بھی موجود ہیں، جو بائبل کی تحریفات کا نتیجہ ہیں، مگر جہاں تک آپ کی مسلّمہ شخصیت کا سوال ہے، تو اس میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے۔

جس طرح اس آیت کریمہ میں عیسائیوں کا ردّ ہے، اسی طرح اس میں ارتقائیوں (EVOL-UTIONISTS) کا بھی بھرپور ابطال ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر حضرت آدمؑ کا ظہور کسی نچلی نوع (SPECIES) سے ارتقائی طور پر ہوا ہوتا تو پھر اس وجہ استدلال کی گنجائش نہ ہوتی۔ ان دونوں میں مناسبت یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی تخلیق بن باپ کے صرف حضرت مریم علیہا السلام کے ذریعہ عمل میں آئی تھی۔ جبکہ حضرت آدمؑ کی تخلیق بغیر ماں باپ کے محض ایک خدائی معجزے کے طور پر ظاہر ہوئی تھی۔ ورنہ یہ استدلال کسی طرح بھی صحیح نہیں ہو سکتا۔ حاصل بحث یہ نکلا کہ یہ "مثلیت" آدمؑ کی شخصیت میں نہیں بلکہ اس کی نوعیت تخلیق میں ہے۔

آدمؑ ایک تاریخی شخصیت :

بہرحال قصۂ آدمؑ کو محض ایک تمثیلی واقعہ یا افسانہ کہہ کر اس کی قطعیت کو متاثر نہیں کیا جا سکتا اور اس قسم کی حرکت قرآن عظیم اور اس کی حقیقت سے ناواقفیت کی دلیل ہے یہ ایک بے سروپا خیال ہے، جس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ قرآن حکیم نے آدمؑ و ابلیس کے واقعہ کو محض ایک ہی جگہ بیان کر دینے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ متعدد مقامات پر اس کو مختلف پیرایوں میں بیان کیا ہے۔ اور حضرت آدمؑ کا نام نامی قرآن میں پچیس مرتبہ آیا ہے۔ متعدد آیات میں پوری نوع انسانی کو "بنی آدم" (آدم کی اولاد) کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے۔ ایک موقع پر آدمؑ کے دو بیٹوں (ابنیٔ آدم) کا تذکرہ آیا ہے۔ قرآن کے ان تمام واقعات و تصورات کی تشریح حدیث شریف میں پورے بسط و تفصیل کے ساتھ موجود ہے اور یہ روایات مجموعی اعتبار سے حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔ لہٰذا ان تمام محکمات اور روایات متواترہ کا انکار کر کے محض چند متشابہات سے استدلال کرنا ایک مکابرہ ہے، جو چاند پر خاک ڈالنے کے مترادف ہے اور اس قسم کی کوشش کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔

تخلیق آدم کائنات کا ایک اہم ترین واقعہ :

حاصل یہ کہ قصۂ آدم محض ایک داستان یا افسانہ نہیں بلکہ تاریخ تخلیق و تاریخ انسانیت کا ایک عظیم ترین واقعہ ہے، جو حق و صداقت پر مبنی ہے۔ بلکہ یہ درحقیقت تخلیقات الٰہیہ کی ایک ایمان افروز

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

داستان ہے، جو تذکیر و انتباہ کے اچھوتے پیرائے میں بیان کی گئی ہے۔ انسان چونکہ اس چمن زار حیات کا حاصل اور کائناتِ مادّی کا گل سر سبد ہے، جو تخلیقاتِ الٰہیہ میں بے انتہا اہمیت رکھتا ہے اس لئے اس واقعہ کو ایک ولولہ انگیز اسلوب میں بیان کیا گیا ہے تاکہ نوع انسانی میں جذباتِ انسانیت و آدمیت پوری طرح اُبھارے جا سکیں اور ان کے دلوں میں ایمان کے بیج بوئے جا سکیں۔

اس لحاظ سے قصۂ آدم ؑ محض ایک قصہ نہیں بلکہ وہ اسباق و بصائر کا ایک لامتناہی مجموعہ ہے، جس کے رموز و اسرار کی انتہا نہیں ہے۔ یہ درحقیقت خیر و شر کی ایک عجیب و غریب داستان ہے، جہاں سے دین و شریعت کی ابتدا ہوتی ہے بعض لوگوں (مادہ پرستوں) کا خیال ہے کہ انسان کی ابتدا جہالت کے ماحول سے ہوئی اور خدا کا تصور بعد میں پیدا ہوا۔ مگر اس کے برعکس قصۂ آدم ؑ سے نہ صرف اس خیال خام کی تردید ہوتی ہے بلکہ دین و شریعت کے عجیب و غریب اسرار بھی کھلتے نظر آتے ہیں اور خصوصاً عقائد و الٰہیات کی بعض وہ گرہیں، جن کو کھولنے سے دورِ قدیم سے لے کر اب تک تمام فلاسفہ اور فلسفہ زدہ علماء عاجز نظر آتے ہیں، پوری طرح کھلتی دکھائی دیتی ہیں۔ اسی طرح اس واقعہ سے "شریعتِ آدم ؑ" کے بعض وہ احکام بھی منظر عام پر آتے ہیں، جن پر آج شریعتِ اسلامیہ میں عمل ہو رہا ہے۔ یہ داستان عصر حاضر کے لئے ایک ولولہ انگیز پیام عمل اور صوتِ سرمدی کی حیثیت رکھتی ہے اسی بنا پر سورۂ صٓ میں جہاں پر آدم ؑ و ابلیس کا واقعہ بالتفصیل مذکور ہے وہاں پر بطور پیشن گوئی یہ بھی مذکور ہے:

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝	یہ تو سارے جہاں کے لئے ایک درس ہے۔ اور تم اس کی (سچائی کی) خبر ضرور جان لو گے۔
وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِیْنٍ ۝	
(صٓ: ۸۷-۸۸)	

قرآن حکیم اگرچہ ہر حیثیت سے نوع انسانی کے لئے ایک ذکر و تذکیر اور تنبیہ و انتباہ ہے۔ مگر یہاں پر خصوصیت کے ساتھ حضرت آدم علیہ السلام کے واقعہ کے بعد اس حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے۔ لہٰذا جب ہم اس عظیم واقعہ کا قرآن حکیم اور حدیث نبوی میں مذکورہ حقائق کے ذریعہ بائبل اور اہلِ کتاب کے تصورات اور خصوصاً عیسائیوں کے خود ساختہ عقائد (عقیدۂ موروثی گنہگاری اور عقیدۂ فدیہ وغیرہ) اور ملحد فلاسفہ اور مادہ پرستوں کے باطل انکار وغیرہ تمام خیز وب کا جدید سائنسی تحقیقات کی روشنی میں جائزہ لیتے ہیں،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو ہمارے سامنے عجیب و غریب حقائق آتے ہیں، جن کے ذریعہ نہ صرف اہل مذاہب کی باطل پرستیوں کا پردہ چاک ہو جاتا ہے بلکہ الحاد و مادیت کے تار و پود بھی بکھر جاتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ تخلیق آدم علیہ السلام تاریخِ تخلیقات کا ایک عظیم الشان واقعہ ہے، جس کو خلاقِ فطرت نے بڑے اہتمام اور رکھ رکھاؤ کے ساتھ ایک ناقابلِ فراموش صداقت کے روپ میں بیان کیا ہے جس میں اتنے اسباق و بصائر ودیعت کر دئے گئے ہیں کہ ان سب کا احاطہ کرنا مشکل نظر آتا ہے۔

حواشی

۱ ابن قیم، اِعلام الموقّعین: مطبوعہ مصر، ۱۹۶۹ء: ۱/۱۲۱

۲ عبدالرحمان حسن جنکہ المیدانی: الأمثال القرآنیة، بیروت، ۱۹۸۰ء، ص ۱۰

۳ اِعلام الموقّعین، ۱/۱۶۳

۴ فتاویٰ ابن تیمیہ، مطبوعہ دارالافتاء، ریاض، ۵۴/۱۴

۵ و ۶ ایضاً، ۱۴/۱۶

۷ اس قسم کی مثالوں کے لئے ملاحظہ ہو علامہ ابن قیم کی کتاب "الفوائد المشوّق اِلی علوم القرآن و علم البیان" دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ص ۹۸ - ۱۰۴

۸ منّاع قطّان: مباحث فی علوم القرآن، موسسة الرسالہ، بیروت، ۱۹۸۰ء، ص ۳۰۹

۹ فتاویٰ ابن تیمیہ: ۴/۱۴/۳، نیز ملاحظہ ہو اردو دائرۂ معارف اسلامیہ، مقالہ اخوان الصفا، لاہور، ۱۹۶۴ء ۲/۱۹۸ - ۱۹۹۔

۱۰ زرکشی البرھان فی علوم القرآن، دارالاحیاء الکتب العربیہ، القاہرہ، ۱۹۵۷ء، ۲/ ۲۲۸ نیز دیکھئے جلال الدین السیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، قاہرہ، ۳/۹۹

۱۱ اس موقع پر "نبأ" کا لفظ استعمال ہوا ہے، جس کے معنی خبر کے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کسی متعین شخص کا واقعہ تھا مگر چونکہ قرآن حکیم نے اس کا نام نہیں بتایا، اس لئے یہ مثال ہر شخص پر صادق آسکتی ہے۔

© rasailojaraid.com